QUARTERLY, PEER REVIEWED
al-amir
ISSN(P): 2790-931X ISSN(E): 2790-9328
E-Mail: editor.alamir@gmail.com

کلامِ الٰہی کے کلام شعراء پر تفوق کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

A Comparative Analytical Study on the Superiority of Divine Speech over the Speech of Poets

Dr. Fazail Asrar Ahmed
Associate Prof. (Emeritus) Dept. of Islamic Studies Govt.Allama Iqbal Graduate College Sialkot. Email: fazailkh11@gmail.com
Muhammad Saad
M. Phil Scholar, Dept. of Islamic Studies, Lahore Leads University, Lahore. Email: Saadrasheed101@gmail.com
Muhammad Abdullah Bodla
Doctoral Candidate, Dept. of Hadith, The Islamia University of Bahawalpur.
Email: bodla.abdullah@gmail.com

The thesis titled "A Comparative Analytical Study on the Superiority of Divine Speech over the Speech of Poets" investigates the unmatched eloquence of the Quran compared to the eloquence of renowned Arab poets. The study begins by exploring the Quran's unparalleled rhetorical excellence and linguistic artistry. It then conducts a comparative analysis between the verses of the Quran and the poetry of Imru' al-Qais, one of the greatest Arab poets.Through detailed examination, the research demonstrates that the divine speech of the Quran surpasses human poetry in eloquence, rhetorical beauty, depth of meaning, and impact on its audience. The study highlights the Quran's linguistic precision, its ability to convey profound meanings succinctly, and its unmatched rhetorical devices that leave a lasting impression.The research also examines the limitations of human poetry in conveying universal truths and its inability to match the comprehensive nature of the Quranic message. By presenting concrete examples and analytical comparisons, the study substantiates the Quran's superiority in both form and content.The objective is to provide scholarly evidence of the

Quran's supreme eloquence and highlight the limitations of human speech, reinforcing the Quran's position as the ultimate source of guidance and wisdom. This analysis underscores the Quran's literary excellence and its profound significance in Arabic literature.

Keywords: Qur'ānic Eloquence, Rhetorical Excellence, Divine Superiority, Comparative analysis, Arabic literature.

تمہیدی گفتگو:

جب رسول اللہ ﷺ نے اپنی بعثت کے آغاز میں قرآن مجید کی تلاوت اہلِ عرب کے سامنے کی تو وہ فوراً سمجھ گئے کہ یہ کلام کسی انسان کا نہیں ہو سکتا۔ قرآن مجید کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل اس کا معجزہ ہونا ہے، یعنی یہ ایک ایسا کلام ہے جس کی مثال پیش کرنا انسانی قدرت سے باہر ہے۔ اسی وجہ سے اسے حضور اکرم ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ کہا جاتا ہے۔ یہاں ہم قرآن مجید کی چند ایسی خصوصیات کا ذکر کرتے ہیں جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ یہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور کسی انسانی ذہن کی کاوش نہیں۔ آگے بڑھنے سے پہلے دو بنیادی نکات کو مد نظر رکھنا ضروری ہے۔ اول، فصاحت و بلاغت اور کلام کی سحر انگیزی ایسی صفات ہیں جنہیں سمجھنا اور محسوس کرنا ضروری ہوتا ہے، اور انہیں مکمل طور پر الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ آپ فصاحت و بلاغت کے اصول و قواعد مقرر کر سکتے ہیں، لیکن حقیقت میں یہ اصول و قواعد حتمی نہیں ہوتے۔ کسی کلام کی خوبصورتی یا خرابی کا آخری فیصلہ ذوق اور وجدان ہی کرتا ہے۔ جیسے ایک خوبصورت چہرے کی جامع تعریف نہیں کی جا سکتی، جیسے ایک خوش رنگ پھول کی رونق کو الفاظ میں قید نہیں کیا جا سکتا، اور جیسے ایک خوش ذائقہ پھل کی مٹھاس اور لذت الفاظ میں نہیں سمائی جا سکتی، اسی طرح کسی کلام کی فصاحت و بلاغت کو مکمل طور پر بیان کرنا بھی ممکن نہیں۔ لیکن جب کوئی ذی شعور انسان اسے سنے گا تو وہ خود بخود اس کی خوبیوں اور خصوصیات سے واقف ہو جائے گا۔

دوسرا نکتہ یہ ہے کہ فصاحت و بلاغت کے معاملے میں ذوق کا معیار صرف اہلِ زبان کے لیے معتبر ہے۔ کوئی شخص کسی غیر زبان میں کتنی ہی مہارت کیوں نہ حاصل کر لے، لیکن ذوقِ سلیم کے لحاظ سے وہ کبھی اہلِ زبان کے برابر نہیں ہو سکتا۔ زمانہ جاہلیت کے اہلِ عرب کا تصور کیجیے، جہاں خطابت اور شاعری اُن کے معاشرے کی روح رواں تھی۔ عربوں کا فطری شعری ذوق بچوں سے لے کر بڑوں تک سب میں رچا بسا ہوا تھا۔ فصاحت و بلاغت ان کی رگوں میں خونِ حیات بن کر دوڑتی تھی۔ ان کی مجلسوں کی رونق، میلوں کی رنگینی، فخر و ناز کا سرمایہ، اور ان کی نشر و اشاعت کا ذریعہ سب کچھ شعر و ادب تھا۔ انہیں اپنی اس قابلیت پر اتنا غرور تھا کہ وہ اپنے علاوہ تمام قوموں کو "عجم" یعنی گونگا کہا کرتے تھے۔

تاریخ الأدب العربي" از شوقی ضیف میں اس حوالے سے ہے:

"وكان العرب في الجاهلية يعتزون بفصاحتهم وبلاغتهم ويعدونها جزءًا لا يتجزأ من كيانهم وثقافتهم. كانوا يعقدون الأسواق الأدبية مثل سوق عكاظ حيث يتنافس

الشعراء والخطباء في إظهار مهاراتهم اللغوية، ويعتبرون تلك الأسواق من أعظم مظاهر حضاراتهم وثقافتهم[1]".

"عرب زمانہ جاہلیت میں اپنی فصاحت و بلاغت پر فخر کرتے تھے اور اسے اپنی شناخت اور ثقافت کا ایک لازمی حصہ سمجھتے تھے۔ وہ ادبی میلوں جیسے کہ سوق عکاظ کا انعقاد کرتے تھے جہاں شعراء اور خطباء اپنی لسانی مہارتوں کا مظاہرہ کرتے تھے، اور ان میلوں کو اپنی تہذیب و ثقافت کی عظیم ترین علامات میں شمار کرتے تھے۔"

ایسے ماحول میں، جناب محمد رسول اللہ ﷺ، جو اُمّی تھے، نے ایک کلام پیش کیا اور یہ اعلان کیا کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ اعلان کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ یہ دعویٰ اس ذات ﷺ کی طرف سے تھا جس نے کبھی وقت کے مشہور ادباء اور شعراء سے کوئی علم حاصل نہیں کیا تھا، نہ ہی کبھی مشاعروں میں کوئی شعر پڑھا تھا، اور نہ ہی کاہنوں کی صحبت اختیار کی تھی۔ خود شعر کہنا تو دور کی بات، آپ ﷺ کو دوسرے شعراء کے اشعار تک یاد نہیں تھے۔ پھر یہی وہ ذات تھی جسے میدانِ فصاحت کے یہ سورما ایک نئے دین کا بانی کہا کرتے تھے۔ اگر یہ اعلان سچا ثابت ہو جاتا تو ان کے آبائی دین کی ساری عمارت منہ کے بل گر پڑتی اور ان کی صدیوں پرانی رسوم و روایات کا سارا پلندہ پیوندِ زمین ہو جاتا تھا۔ اس لیے یہ اعلان درحقیقت ان کی ادبی صلاحیتوں کو ایک زبردست چیلنج تھا۔ یہ ان کے دین و مذہب پر ایک کاری ضرب تھی، ان کی قومی حمیت کے خلاف ایک مبارزت کا پیغام تھا، اور ان کی غیرت کو ایک للکار تھی جس کا جواب دیے بغیر کسی غیور عرب کے لیے چین سے بیٹھنا ممکن نہیں تھا۔[2] اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ مظہر ہے کہ ہر زمانے میں جو چیز مشہور اور فن جس میں لوگ ماہر تھے، اسی کے مطابق اس دور کے انبیاء کرام (علیہم السلام) کو معجزات سے نوازا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور میں سحر و جادو کا زور تھا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسا معجزہ عطا فرمایا کہ جادوگر فوراً سمجھ گئے کہ یہ جادو نہیں اور ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں عقلیت پسند غالب تھے۔ افلاطون، ارسطو، اور سقراط جیسے فلاسفہ کا شہرہ تھا، تو اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات عطا فرمائے جنہوں نے ان عقلیت پسندوں کو بھی عاجز کر دیا۔ جیسا کہ عقلاً مادر زاد اندھے اور کوڑھی کا علاج ممکن نہیں اور مرنے والے کو دوبارہ زندگی دینا ناممکن ہے، لیکن اللہ عزوجل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دستِ اقدس پر مادر زاد اندھوں کو شفا عطا فرمائی اور مردے جی اٹھے۔ ان محیر العقول واقعات کو دیکھ کر عقل پرستوں کے پاس نبوت کو تسلیم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اور جب رحمۃ للعالمین، شفیع المذنبین، سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کی آمد ہوئی، تو اہلِ عرب کے ہاں فصاحت و بلاغت کی قدر و قیمت سچے موتیوں سے بھی زیادہ تھی اور وہ اپنی زبان دانی کی بنیاد پر دیگر اقوام کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے۔ بلاشبہ عربی زبان کو دیگر زبانوں پر یقینی برتری حاصل ہے۔ اس برتری کی وجہ عربی کا وسیع اور جامع ہونا ہے۔ عام زبانوں میں کسی مفہوم کو ادا کرنے کے لیے دو یا چار لفظ ہوتے

---

[1] Shawqi Dayf, Tārīkh al-Adab al-ʻArabī (Cairo: Dār al-Maʻārif, 1960), 45.

[2] .Jawād ʻAlī, Al-Mufaṣṣal fī Tārīkh al-ʻArab Qabla al-Islām (Baghdad: Jāmiʻat Baghdād, 1993), 472.

ہیں، لیکن عربی زبان میں ایک چیز کے معانی کو بیان کرنے کے لیے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں الفاظ موجود ہیں۔ اور یہ الفاظ کی کثرت بلاوجہ نہیں ہے بلکہ ان میں باریک باریک معانی کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔[3]

تعارفی جائزہ:

شعر کا لغوی معنی:

"الشِّعْرُ فِي اللُّغَةِ هُوَ الْكَلَامُ الْمَوْزُونُ الْمُقَفَّى الَّذِي يَدُلُّ عَلَى مَعْنًى، وَمَصْدَرُهُ شَعَرَ يَشْعُرُ شِعْرًا[4]".

لغت میں شعر کا مطلب وہ کلام ہے جو موزوں اور مقفیٰ ہو اور کسی معنی کی طرف اشارہ کرے۔ اس کا مصدر "شَعَرَیَشْعُرُشِعْرًا" ہے۔

شعر کا اصطلاحی معنی:

"الشِّعْرُ فِي الاصْطِلَاحِ هُوَ كَلَامٌ مَوْزُونٌ مُقَفًّى يَتَّبِعُ وَزْنًا مُعَيَّنًا وَقَافِيَةً مُحَدَّدَةً، يُعَبِّرُ عَنْ مَشَاعِرِ الشَّاعِرِ وَأَفْكَارِهِ بِطَرِيقَةٍ فَنِّيَّةٍ[5]".

اصطلاح میں شعر وہ کلام ہے جو موزوں اور مقفیٰ ہو، ایک مخصوص وزن اور قافیہ کی پیروی کرتا ہو، اور شاعر کے جذبات اور خیالات کو فنی انداز میں بیان کرتا ہو۔

پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی لکھتے ہیں: اصطلاح میں شعر ایسے موزوں کلام کو کہتے ہیں جو متکلم سے قصد ظاہر ہو خلیل بن احمد اس فن کے ماہر سمجھے ہیں۔ انہوں نے ردیف قافیہ کی رعایت کے لئے پندرہ بحریں ترتیب دیں۔ شکسپیر نے انگریزی میں بلینک ورس کی بنیاد ڈالی جس میں نہ قافیے کی رعایت نہ ردیف کا جھگڑا اور نہ ہی وزن کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اردو زبان کے شعراء نے بھی اسی بناء پر آزاد شاعری کو اپنایا۔ بنگال کے مشہور شاعر ٹیگور کے اشعار کا رنگ بھی یہی ہے۔ مولانا حالی نے اپنی کتاب مقدمہ شعر و شاعری میں واضح کیا ہے کہ شاعری تخیلات کو محسوسات کا جامہ پہنانے کا دوسرا نام ہے اس کو جذبات کی مصوری کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں شعراء کے متعلق کہا گیا ہے:

"وَ الشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ،اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ،وَ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ"۔

"اور شاعروں کی پیروی تو گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ شاعر ہر وادی میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ ایسی بات کہتے ہیں جو کرتے نہیں"۔

---

[3] .Ibn Rashīq al-Qayrawānī, Al-ʻUmdah fī Maḥāsin al-Shiʻr wa Ādābihi wa Naqdih (Beirut: Dār al-Jīl, 1981), 25.

[4] Ibn Manẓūr, Muḥammad ibn Mukarram. Lisān al-ʻArab, Vol. 4 (Beirut: Dār Ṣādir, 1994), 356.

[5] Alī ibn Muḥammad al-Jurjānī, Al-Taʻrīfāt, (Beirut: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyyah, 1985), 67.

شعراء کی افسانہ طرازیاں، رزم بزم کے حالات، جذبات کی عکس بندی وغیرہ اکثر خیالی باتیں ہوتی ہیں سچی باتیں کم ہوتی ہیں۔ شعراء کے نزدیک حسن تخیل یہ ہے کہ جھوٹی سچی خیالی باتیں اس طرح بیان کر دی جائیں کہ سامعین لطف اندوز ہوں۔ حسن تخیل اور حسن بیان میں بہت فرق ہے حسن تخیل من گھڑت باتوں کی مصوری کا دوسرا نام ہے، جبکہ حسن بیان امور واقعی کو احسن طریقے سے بیان کرنے کو کہتے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وما علمنه الشعر وما ينبغى له[6]."

اپنے پیغمبر کو ہم نے شاعری نہیں سکھائی نہ ہی وہ ان کے شایان شان ہے۔

چونکہ خیالی باتوں کی مصوری منصب نبوت کے خلاف تھی اس لئے ان کو شاعری نہ سکھائی گئی ان کی باتیں تو عین حقائق تھیں،[7] خیالات باطل کے لئے وہاں رسائی ممکن نہ تھی۔ اسی وجہ سے جو شعراء قرآن وحدیث کے حقائق کو شعر کے سانچے میں ڈھالیں اور اخلاق عظیمہ کی تعلیم دیں ان کو آیتِ کریمہ میں "الا" کے لفظ کے ذریعے بے راہ روی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

قرآن مجید کا شاعری پر تفوق

شاعری میں اگرچہ خرابیاں بہت زیادہ ہیں تاہم ایک خوبی یہ ہے کہ اس سے کلام کی قوت بڑھ جاتی ہے بعض اوقات شعر میں الفاظ کی بندش اس قدر مرغوب طبع ہوتی ہے کہ وہ کلام دل پسند بن جاتا ہے۔ تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ بسا اوقات اہم مہمات کو سر کرنے میں شاعری کو بڑا دخل حاصل رہا ہے، ممالک کو فتح کرلینا اور مردہ اقوام کے دلوں میں روح پھونک دینا شاعری کا ادنیٰ کرشمہ رہا ہے۔ دور حاضر میں علامہ محمد اقبال کی شاعری تعمیرِ قوم کی بہترین مثال ہے جبکہ فیض احمد فیض کی شاعری بے راہ روی کی بدترین مثال ہے۔ جذب کی جو قوت شعر میں ہے وہ نثر میں نہیں ہوتی تاہم دنیا بھر کے شعراء اور نثر نگاروں کا کلام انسانی قلوب پر اتنا اثر انداز نہیں ہو سکتا جتنا کہ قرآن مجید کی ایک آیت اثر کر جاتی ہے۔ اگر شاعری کو اوزان و قوافی کی قید سے آزاد کر دیا جائے اور حقیقت پسندی کی قید لگا دی جائے تو ہر شخص تسلیم کرے گا کہ قرآن مجید شاعرانہ اثرات واحساسات سے بھرا ہوا ہے۔

قرآن مجید کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ انہیں مروجہ طور پر منطبق کریں تو پورا شعر بن جاتا ہے مگر اسے ہرگز شعر نہیں کہا جا سکتا کیونکہ شعر میں تخیلات ہوتے ہیں جبکہ قرآن مجید میں حقائق ہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھیں کہ ایک ٹن مٹی اور ایک ٹن سونا وزن میں برابر ہوتے ہیں لیکن قیمت میں مٹی کو سونے سے کوئی نسبت نہیں اسی طرح قرآنی آیات اور شعر، بحر کے وزن میں برابر تو ہو سکتے ہیں مگر ایک مٹی ہے اور دوسرا سونا ہے۔ فرق صاف ظاہر ہے۔ ذیل میں چند اوزان محور متداولہ کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

آسان بحر کی مثالیں

ثم اقررتم و انتم تشهدون[8]

فاعلاتن فاعلاتن فاعلات

ثم انتم هؤلاء تقتلون[9]

---

[6] Yāsīn, 05: 36.

[7] جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى، اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى، ترجمہ: کنز العرفان: اور وہ کوئی بات خواہش سے نہیں کہتے۔ وہ وحی ہی ہوتی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔ (النجم، 4-3)

[8] Al-Baqarah, 84:2.

فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن

مسلمات مومنات قانتات[10]

فاعلات فاعلات فاعلات

تائبات عابدات سائحات[11]

فاعلات فاعلات فاعلات

بحر رمل مجرد و مقصود:

الذي انقض ظهرك[12]

فاعلات فاعلات فاعلات

ورفعنا لک ذکرک[13]

فاعلاتن فاعلاتن

شعراء کا دستور ہے کہ بعض اشعار کو بار بار قصیدہ یا نظم میں لاتے ہیں جیسے سورہ: رحمن میں انعامات الہیہ یاد دلانے والی آیت "فبای آلاء ربکما تکذبن[14]"(اے جن وانس تم اپنے رب کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے) یا سورۃ المرسلات میں تکذیب کرنے والوں سے انجام کے متعلق آیت ہے:"ویل یومئذ للمکذبین"[15] اور روز جھٹلانے والوں کے لئے بڑی خرابی ہے۔

مندرجہ بالا مثالوں کے باوجود قرآن مجید میں ایک شعر بھی نہیں، کیونکہ شعر کے معنی خیالی باتوں کے ہیں جبکہ قرآن مجید صداقتوں اور حقیقتوں کا مجموعہ ہے۔ اب حاصل کلام یہ ہوا کہ جو موزوں کلام اپنے ارادہ وقصد سے کہا جائے وہ شعر ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو وہ شعر نہیں اس لئے قرآن مجید کو شعر نہیں کہا جاسکتا کہ حضور نبی کریم ﷺ نے اپنی مرضی سے کوئی آیت نہیں بنائی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وما ينطق عن الهوى. ان هو الا وحي يوحى"۔[16]

اور وہ (نبی کریم ﷺ) اپنے نفس کی خواہش سے نہیں بولتے، ان کا قول تو صرف وحی ہے، جو نازل ہوئی۔

سچ بات تو یہ ہے کہ جو خود صاحب وحی حضرت محمد ﷺ کے اقوال واحادیث کو فصاحت وبلاغت میں قرآن مجید سے اتنا ہی فرق ہے جتنا کہ ذات نبی ﷺ کو ذات الہی جل جلالہ سے، تو پھر اس کے بعد عام لوگوں کے اشعار وکلام کو کلام الہی سے بھلا کیا نسبت ہو سکتی ہے۔

---

[9] Al-Baqarah, 85:2.

[10] Al-Tehrīm, 05:66.

[11] Al-Tehrīm, 05:66.

[12] Alam-Nashrah, 03:94.

[13] Alam-Nashrah, 04:94.

[14] Al-Rehman, 57:55.

[15] Al-Mursalāt, 15:77.

[16] Al-Najm, 3-4:53.

چه نسبت خاک را با عالم پاک

اہلِ عرب میں دنیائے شعر و سخن میں سب سے بڑا فصیح و سخن دان امراؤالقیس کو سمجھا جاتا ہے، اس لیے بطور مثال اس کے اشعار اور آیاتِ قرآنیہ کا تقابلی جائزہ پیش خدمت ہے:

امراؤالقیس عرب کا فصیح ترین شاعر مانا جاتا تھا۔ رزم و بزم کی مصوری میں اس کے اشعار کی پرستش ہوتی تھی، اسی لئے اسے اپنے وقت کا مافوق العادت انسان خیال کیا جاتا تھا۔ اس کے رزمیہ کلام میں سے اعلیٰ اشعار گھوڑے کی تعریف کے بارے میں ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

مكر مفر مقبل مدبر معا

كجملود صخر حطه السيل من عل[17]

وہ گھوڑا حملہ کرنے والا، بھاگنے والا، آگے آنے والا، مڑ جانے والا۔ یکدم ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک پتھر کو سیلاب نے اوپر سے نیچے کی طرف لڑھکا دیا ہے"۔

كميت يزل البلد عن حال متنه

كما زلست الصفواء بالمتنزل

وہ کمیت ہے اور زین کو اپنی پیٹھ پر سے اس طرح پھسلا دیتا ہے جیسے چکنا پھر بارش کو۔

على الزبل جياش كان اهتزامه

اذا جاش فيه حميه غلى مرجل

باوجود لاغر ہونے کے ایسا جوش مارتا ہے کہ اس کے چلنے کی آواز گرمی نشاط کے
جوش میں دیگ کے ابلنے کی سی آواز معلوم ہوتی ہے۔

مسح اذا ما السابحات على الوني

اثرن الغبار بالكديد المركل

جس وقت تیز رفتا گھوڑے تھک کر پامال شدہ زمین پر غبار اٹھانے لگتے ہیں، وہ گھوڑا بدستور بارش کی مانند تیز چلتا ہے۔

يزل الغلام الخف عن صهر اته

ويلوى باثواب العينف المثقل

ہلکے پھلکے لڑکوں کو تو وہ اپنی پیٹھ سے اچھال دیتا ہے اور بھاری بھر کم تجربہ کار شہواروں کے کپڑے گرا دیتا ہے۔

ان پانچوں اشعار میں امراؤالقیس نے گھوڑے کی سرعت رفتاری، جرات و ہمت اور تن آوری کو اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ بے اختیار داد دینے کا جی چاہتا ہے۔ کلام کی فصاحت و بلاغت دیکھئے کہ ہر بات کو استعارات و تشبیہات سے ادا کیا ہے تا کہ آنکھوں کے سامنے نقشہ کھچ جائے، اب اس کے مقابلے میں قرآن مجید کی صرف چند آیات اسی مضمون کی نقل کی جاتی ہیں:

"وَ الْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا(1)فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا(2)فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا(3)فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا(4)فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا(5)"۔[18]

---

[17] Amrū al-Qays, Al-Mu‘allaqāt (Beirut: Dār al-Fikr, 2005), 23.

[18] Al-Adiyāt, 1-5:100.

"قسم ان کی جو دوڑتے ہیں، سینے سے آواز نکلتی ہوئی، پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سُم مار کر، پھر صبح کے وقت دھاوا بولتے ہیں، پھر اس وقت غبار اڑاتے ہیں، پھر دشمن کے بیچ لشکر میں جاتے ہیں"۔

تقابلی جائزہ:

1. شاعر نے پانچ اشعار میں 51 الفاظ استعمال کئے ہیں۔

- **ان آیات میں 12 الفاظ استعمال ہوئے۔**

2. شاعر کا مقصد فقط گھوڑے کی تعریف تھی۔

- **ان آیات میں گھوڑے کی تعریف ضمنی طور پر کی گئی ہے۔**

3. شاعر نے ایک گھوڑے کی تخیلاتی صفات کی تعریف کی ہے۔

- **ان آیات میں گھوڑے کی صفاتِ واقعی کو بیان کیا گیا ہے۔**

4. شاعر نے سرعت رفتار کے ساتھ سرعت فرار کا بھی تذکرہ کیا ہے، حالانکہ یہ عجیب ہے، صورتِ ادبار میں تو بھیڑ بکریوں کو بھی سرعت رفتار آجاتی ہے۔

- **ان آیات میں گھوڑے کی سرعت رفتار کا تذکرہ ہے۔ سرعت فرار کا تذکرہ نہیں اس لئے کہ پیٹھ پھیر کر بھاگنا انتہائی بزدلی کا کام ہے۔**

5. گھوڑے کی پیش قدمی کو لڑھکتے پتھر سے تشبیہ دینا کوئی اچھی تشبیہ نہیں ہے۔

- **تیز رفتاری کو ٹاپوں سے آگ نکالنے کے الفاظ سے واضح کرنا بہت لطیف استعارہ ہے۔**

6. دوسرے شعر میں گھوڑے کے موٹاپے کا تذکرہ ہے کہ زین بھی پھسل جاتی ہے، تیسرے شعر میں گھوڑے کی لاغری کا تذکرہ ہے، صاف ظاہر ہے کہ لاغر گھوڑے کی پیٹھ سے زین پھسل ہی نہیں سکتی، پس مضمون میں اختلاف ہے گویا تعریف جھوٹ پر مبنی ہے۔

- **آیات کے مضمون میں کوئی اختلاف نہیں قرآن مجید ہر جھوٹ اور عیب سے پاک ہے۔**

7. شاعر نے گھوڑے کے چلنے کی آوز کو دیگ کی آواز سے تشبیہ دی ہے جس سے بیان کا حق ادا نہیں ہوتا غور کرنے سے بھی بات سمجھ نہیں آتی۔

- **آیات میں گھوڑوں کے ہانپنے کا تذکرہ ہے، یہ فہم انسان سے کتنا قریب ہے کہ ایک تصویر نظر کے سامنے پھر جاتی ہے۔**

8. گھوڑے کا پامال شدہ زمین سے غبار اڑانا کون سی حیرت کی بات ہے؟ پامال شدہ زمین پر گھوڑا چل پڑے تو بھی گرد اڑ جاتی ہے۔

- **صبح کے وقت شبنم کی وجہ سے گرد و غبار جما ہوتا ہے اس وقت غبار اڑانا تیز رفتاری کی بین دلیل ہے۔**

9. گھوڑے کی سرعت رفتاری کو شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے کہ نوجوان لڑکوں کو پیٹھ سے گرا دیتا ہے، شہسواروں کے کپڑے پھینک دیتا ہے حالانکہ یہ سب کچھ موزوں خرامی کے خلاف ہے۔ سامان پھینک کر چل دینا کون سی خوبی ہے۔

- **گھوڑوں کی جرات اور وفاداری کو اس طرح بیان کیا کہ دشمن کے ہجوم میں گھس جاتے ہیں سوچنے کی بات ہے کہ منزل مقصود پر جلد پہنچانا ہی صفت ہوتی ہے اور اپنی جان کی پرواہ کیے بغیر پیش قدمی کرنا ہی جرات کہلاتی ہے۔ ان الفاظ نے گھوڑوں کی تعریف کا حق ادا کر دیا۔**

10. شاعر نے جھوٹ بولا، من گھڑت باتیں کیں پھر بھی اپنا مقصد پورا نہ کر سکا۔

- **اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا، سچی باتیں کیں اور مدعائے بیان کا ایک پہلو بھی باقی نہ رہا۔**

نتیجہ:

قرآن مجید میں صرف 12 الفاظ میں جو مضمون سمیٹ دیا گیا ہے، وقت کا عظیم ترین شاعر 51 لفظوں میں بھی وہ مضمون بیان نہ کر سکا، اس مقام پر قرآن مجید کے اعجاز کو دیکھ کر ہزار بار قربان ہونے کو جی چاہتا ہے، دل سے آواز نکلتی ہے کہ "هذا كلام ربي، هذا كلام ربي" (یہ میرے پروردگار کا کلام ہے یہ میرے پروردگار کا کلام ہے)۔ پس تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگا ہے۔

اسی وجہ سے ابن جنی نے اپنی کتاب "الخصائص" میں کہا ہے کہ:

"فإذا تأملت كلام العرب وجدت كلام الله أفصح منه وأبلغ، فهو أعجز العرب عن معارضته[19]".

[19] Ibn Jinnī, Al-Khaṣā'iṣ, Vol. 1 (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, [year of publication]), 45.

"جب تم عرب کے کلام پر غور کروگے، تو اللہ کا کلام اس سے زیادہ فصیح اور بلیغ پاؤگے، یہی وجہ ہے کہ اس نے عربوں کو اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز کر دیا۔"

اور جاحظ نے اپنی کتاب "البیان والتبیین" میں کہا کہ:

"إن القرآن لا يشبه شيئًا من كلام العرب، ولا يمكن لأحد أن يأتي بمثله في فصاحته وبلاغته[20]".

"قرآن کسی بھی عرب کے کلام سے مشابہت نہیں رکھتا، اور اس کی فصاحت وبلاغت میں کسی کے لیے بھی اس جیسا لانا ممکن نہیں۔"

تقابل کی ایک اور مثال:

علمائے ادب کا اتفاق ہے کہ امراؤالقیس جہاں رزم کی شاعری کا مصور سمجھا جاتا تھا وہاں بزم کا نقشہ سجانے میں بھی ید طولیٰ رکھتا تھا۔ اس نے اپنی محبوبہ کی تعریف میں درج ذیل اشعار لکھے جو اپنے وقت میں فصاحت وبلاغت میں مشہور تھے۔

مهفهفة بيضاء غير مغاضة

ترائبها مصفوفة كالسجنجل

وہ محبوبہ نازک کمر، سفید بدن اور چپیدہ شکم ہے، جس کا سینہ آئینہ کی طرح شفاف ہے۔

كبكر المقاناة البياض بصفر

غذاها نمير الماء غير محلل

وہ ایک زردی مائل، سفید رنگ صدف کا گوہر یکتا ہے جس صدف کو آب صاف د غیر مکدر نے پرورش کیا ہے۔

تصدر تبدى عن اسيل وتتقى

بناظرة من وحش وجرة مطلفل

وہ مجھ سے اعراض کرتی ہے، فقط صورت دکھاتی ہے لیکن اس کی آنکھ ہرنی کی مانند ہے، جو مجھ پر حیرت کا پردہ ڈال دیتی ہے۔

امراؤالقیس کے پہلے اور دوسرے اشعار میں حسنِ اعضاء کا بیان ہے مگر تیسرے شعر میں بالخصوص آنکھوں کی خوبصورتی کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

آیات قرآن مجید

قرآن مجید کی ایک آیت کے چند الفاظ پر غور کیجئے جس میں انہی صفات کا ذکر ہے:

"حور عين ،كامثال اللؤلؤ المكنون"[21]

"اور بڑی آنکھ والی، گوری گوری حوریں ہیں۔ جیسے چھپا کر رکھے ہوئے موتی ہوں"۔

تشریح وتوضیح

لفظ "حور" ماخوذ ہے "حورۃ" اور "حیرت" سے جس کے درج ذیل معنی نکلتے ہیں:

- غایت درجے کی سفیدی۔

[20] al-Jāḥiẓ, Al-Bayān wa al-Tabyīn, Vol. 2, 108.

[21] Al-Waqia', 22-23:56.

عربی زبان میں گورے بدن والی عورتوں کو "**حوراء**" کہا جاتا ہے۔ جیسے اردو زبان میں خوبصورت لڑکی کا نام "گوری" رکھ دیا جاتا ہے۔

- **حیرت میں ڈال دینے والی۔**

جس عورت کا سراپا اتنا دلکش ہو، جاذب نظر ہو، پرکشش ہو کہ دیکھنے والا حیران ہو کر دیکھتا رہے۔

- **بہت زیادہ کالی۔**

انسانوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں، افریقہ کے بعض قبائل میں جو لڑکی زیادہ کالی ہو اسے اتنا ہی زیادہ ملکہ حسن سمجھا جاتا ہے، وہ زبان حال سے کہتے ہیں "گوریاں نوں پراں کرو"۔

پس خور کا لفظ ایسا ہے کہ انسان اپنی محبوبہ گوری ہو یا کالی اس پر لاگو کر سکتا ہے، سنا ہے کہ مجنون کو لیلیٰ سے افسانوی پیار تھا۔ لیلیٰ اتنی کالی تھی کہ والدین نے رات کی تاریکی کی مانند سمجھ کر لیلیٰ نام رکھ دیا تھا۔ قصہ کوتاہ، دنیا میں حسن کا اطلاق گورے اور کالے دونوں رنگوں میں ہوتا ہے جیسے ہیرے کالے بھی ہوتے ہیں اور سفید بھی ہوتے ہیں مگر آخرت میں حسن کا اطلاق سفید رنگ پر ہو گا، اسی لئے قرآن مجید میں بیض (سفید) کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ آخرت میں کالا رنگ بد بختی کی دلیل ہو گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ"۔[22]

مجھے تم پسند ہو تو مجنوں کو لیلیٰ
نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی

بدن گورا، بال کالے:

بعض علماء نے حور کا یہ معنی لیا ہے کہ: جس کا رنگ بہت گورا ہو، بدن گلاب کی مانند نرم و نازک ہو اور بال انتہائی کالے ہوں، آنکھوں کی سفیدی خوب سفید اور سیاہی خوب سیاہ ہو۔

لفظ "عِین" مشتق ہے "عَین" سے اور اس کے معنی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں والی عورت، پس "حور عین" اس حسین و جمیل عورت کو کہیں گے کہ جس کا بدن خوشنما، دیکھنے والے کو حیران کر دینے والی اور پرکشش آنکھوں والی ہو۔

اس تفصیل کے بعد اگر امراء القیس کے اشعار پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنی محبوبہ میں دو چیزوں کی خاص تعریف کی ہے ایک سفید رنگ اور دوسری خوبصورت آنکھیں، در حقیقت یہی دو چیزیں انسان کی فطرتی جذبات سے زیادہ نسبت رکھتی ہیں۔ اب ذیل میں جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

تقابلی جائزہ

شاعر نے محبوبہ کو دوسرے شعر میں زردی مائل سفید رنگ صدف کا گوہر بتایا ہے یہ

1. شاعر نے اپنی محبوبہ کے حسن و جمال کو 26 الفاظ میں بیان کیا۔

- **قرآن مجید میں حسن و جمال کو فقط 5 الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔**

2. شاعر نے پہلے شعر میں محبوبہ کے سراپا کی خوبصورتی کو بیان کیا۔

آیت کے ایک لفظ "حور" نے سمندر کو کوزے میں بند کر دیا ہے۔

---

[22] Al-e Imrān, 106:3.

3. شاعر نے محبوبہ کو دوسرے شعر میں زردی مائل سفید رنگ، صدف کا گوہر بتایا ہے، یہ الفاظ پڑھ کر یوں لگتا ہے کہ اس نے صدف کی تعریف کے لئے زیادہ الفاظ استعمال کئے ہیں جب کہ گوہر کے لئے کوئی تعریفی لفظ استعمال نہیں کیا۔ شاعر نے صدف کی پرورش کے لئے صاف اور غیر مکدر پانی کی قید لگائی ہے جب کہ صاف اور غیر مکدر پانی میں صدف پرورش پا ہی نہیں سکتی۔ یہ غلط بیانی اور مبالغہ آرائی شعراء کا خاص فن ہے۔

- **آیت میں کوئی بات حقیقت کے خلاف نہیں کہی گئی۔**

4. شاعر نے تیسرے شعر میں محبوبہ کی آنکھ کو ہرنی کی آنکھ سے تشبیہ دی ہے یہ بھی مبالغہ ہے، ہرنی کی آنکھ، ہرنی کے لمبوترے چہرے پر سجتی ہے، اگر عورت کے چہرے پر وہ آنکھ سجادے تو شاعر صاحب ڈر کر بھاگ جائیں۔

- **آیت میں "عین" کے لفظ میں آنکھوں کی خوبصورتی کو نہایت خوبصورت انداز آیت میں بیان کر دیا گیا ہے۔**

5. شاعر نے اپنی محبوبہ کے حسنِ ظاہری کو تو بیان کیا ہے مگر اس کے حسن کردار اور پاکیزگی و پاکدامنی کے متعلق کچھ نہیں کہا، ممکن ہے اس کے نزدیک یہ کوئی اہم بات نہ ہو۔ مزید بر آں محبوبہ کو بچوں والی ہرنی سے تشبیہ دی ہے تو شاید محبوبہ کسی اور کی امانت ہے یا پھر اپنے کئی بچوں کی ماں ہے جس کے لئے تعریفی اشعار کہنے مجبوری تھی۔

- **آیت میں عورت کو پوشیدہ موتی سے تشبیہ دے کر وضاحت کر دی گئی ہے کہ وہ غیر کے ہاتھوں سے محفوظ رہی ہے، حورانِ جنت کی عفت و عصمت کا یہ کنایہ ہے کہ پروردگار عالم نے انہیں نیکوکاروں کے لئے چھپا رکھا ہے "لولو مکنون" کا لفظ حور کے باکرہ ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔ یہ صفت شاعر کے تینوں اشعار میں نظر نہیں آتی۔**

6. شاعر کا یہ کہنا کہ میں محبوبہ کی آنکھوں کو دیکھ کر اتنا حیران ہوتا ہوں کہ اس کی شکل ہی نہیں دیکھ سکتا، یہ مبالغہ ہے جو شعراء کا خاص ہنر ہے۔

- **آیت مبارکہ ایسے جھوٹے مبالغے سے پاک ہے سب سے زیادہ صحیح اور دل پسند مبالغہ یہی ہو سکتا ہے کہ حیران کن حسینہ کا نام ہی حیرت انگیز رکھ دیا جائے چنانچہ پروردگار عالم نے جنت کی حیران کن خوبصورت عورتوں کا نام ہی "حور" رکھ دیا۔**

سبحانہ ما اعظم شانہ

نتیجہ: اس تقابلی جائزہ سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیت کے الفاظ کی تعداد شاعر کے ایک مصرع کے برابر ہیں، مگر ان میں عورتوں کے حسن و جمال کو اس قدر فصاحت و بلاغت، ایجاز و اعجاز اور تشبیہ و کنایہ سے بیان کیا ہے کہ شاعر کے تین اشعار کیا اس کا پورا قصیدہ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ پس سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اس لیے قرآن مجید میں بار بار اس چیلنج کو دہرایا گیا ہے کہ اس جیسا قرآن لاؤ، ورنہ اس جیسی دس سورتیں ہی لے آؤ، وہ بھی نہیں تو ایک سورت ہی بنا لاؤ، مگر ایک سورت تو دور کی بات ایک آیت بھی قرآن مجید کے مقابل بنانا ناممکن ہے۔

"وَ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۪-وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ"۔

"اور اگر تمہیں اس کتاب کے بارے میں کوئی شک ہو جو ہم نے اپنے خاص بندے پر نازل کی ہے تو تم اس جیسی ایک سورت بنالاؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے سب مددگاروں کو بلالو اگر تم سچے ہو"۔

اور بے شک ایسا ہی ہوا کہ تمام اہلِ عرب مل کر بھی قرآن مجید کی ایک آیت کی فصاحت و بلاغت کا مقابلہ بھی نہ کر سکے جو اس کے کلامِ خداوندی ہونے کا بین ثبوت ہے۔

خلاصہ:

یہ آرٹیکل "کلامِ الٰہی کے کلامِ شعراء پر تفوق کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ" قرآن مجید کی بے مثال فصاحت و بلاغت کا اہل عرب کے معروف شعرا کے کلام سے موازنہ کرتا ہے۔ مقالے کا آغاز قرآن مجید کی بے نظیر لسانی خوبصورتی اور فصاحت کے بیان سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد عرب کے عظیم شاعر امراؤالقیس کے اشعار اور قرآن کی آیات کا تقابلی جائزہ لیا گیا ہے۔ تفصیلی تجزیہ کے ذریعے یہ ثابت ہوا ہے کہ قرآن مجید کا کلام انسانی شاعری کے مقابلے میں فصاحت، بلاغت، معنوی گہرائی اور سامعین پر اثر ڈالنے کی قوت میں برتر ہے۔ مقالہ قرآن کی لسانی نزاکت، مختصر الفاظ میں عمیق معانی پہنچانے کی صلاحیت اور بے مثال بلاغتی وسائل کو نمایاں کرتا ہے جو پڑھنے والے پر گہرا اثر چھوڑتے ہیں۔ تحقیق انسانی شاعری کی محدودیت اور قرآن کے جامع پیغام کی برتری کو بھی واضح کرتی ہے۔ مختلف مثالوں اور تجزیاتی موازنوں کے ذریعے مقالہ قرآن کی فصاحت و بلاغت کی برتری کو مضبوط دلائل کے ساتھ ثابت کرتا ہے۔ آرٹیکل کا مقصد قرآن مجید کی اعلیٰ فصاحت اور انسانی کلام کی محدودیت کو علمی طور پر واضح کرنا ہے، تاکہ قرآن کی الٰہی حیثیت اور اس کی حکمت و رہنمائی کے عظیم منبع کے طور پر اہمیت کو اجاگر کیا جا سکے۔ یہ تجزیاتی مطالعہ نہ صرف قرآن کی ادبی برتری کو اجاگر کرتا ہے بلکہ عربی ادب اور اس سے آگے کی اہمیت کو بھی نمایاں کرتا ہے۔

تجاویز وسفارشات:

1. **ادبی تجزیے کی مزید وسعت**

مزید تحقیقی کام کے لیے ضروری ہے کہ قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت کا ادبی تجزیہ دیگر معروف عرب شعرا کے ساتھ بھی کیا جائے۔ صرف امراؤالقیس تک محدود رہنے کے بجائے، دوسرے شعرا جیسے لبید، زہیر بن ابی سلمہ، اور عنترہ کے اشعار کے ساتھ قرآن مجید کی آیات کا موازنہ کیا جائے۔ یہ تجزیے نہ صرف قرآن مجید کی برتری کو مزید مضبوط کریں گے بلکہ عربی ادب کی مجموعی تاریخ اور شعری تنوع کو بھی اجاگر کریں گے، جس سے تحقیق کی گہرائی اور وسعت میں اضافہ ہوگا۔

2. **موضوعاتی تجزیے کا اطلاق**

تحقیق کو مزید گہرائی میں لے جانے کے لیے موضوعاتی تجزیے پر توجہ دی جائے۔ مثال کے طور پر، قرآن مجید کی مختلف موضوعات جیسے عدل، محبت، صبر، اور توکل پر آیات کا موازنہ عرب شعرا کے اشعار سے کیا جائے جو انہی موضوعات پر مبنی ہوں۔ یہ موضوعاتی تجزیے قرآن کی معنوی گہرائی اور اشاراتی بلاغت کو مزید واضح کریں گے اور قارئین کو مختلف موضوعات پر قرآن کی رہنمائی کی جامعیت کا اندازہ ہوگا، جس سے قرآن مجید کی برتری مزید واضح ہوگی۔

3. **جدید لسانیاتی نظریات کا اطلاق**

مزید تحقیقی کام میں جدید لسانیاتی اور بلاغتی نظریات کا اطلاق کیا جائے۔ جدید لسانیاتی نظریات جیسے سیمیوٹکس، پراگمیٹکس، اور ڈسکورس اینالیسس کے ذریعے قرآن مجید اور عرب شعرا کے کلام کا تجزیہ کیا جائے۔ یہ نظریات قرآن کے زبان و بیان کی باریکیوں کو سمجھنے میں مددگار ثابت ہوں گے اور قرآن کی لسانی خوبصورتی اور بلاغتی وسائل کی جامعیت کو مزید عمیق انداز میں پیش کریں گے۔ اس سے نہ صرف قرآن کی فصاحت و بلاغت کو سمجھنے میں مدد ملے گی بلکہ عربی ادب کی موجودہ لسانی تحقیق میں بھی نئے زاویے سامنے آئیں گے۔